اقبالؒ کی شاعری میں استدلالِ معکوس

عثمان احمد*

Allama Muhammad Iqbal is a poet of international fame. His commendable poetry is unmatchable as it touches the human "heart" & "intellect" simultaneously. Iqbal is the only poet who has revealed his philosophical ideas in his marvelous poetry with an excellent poetic touch. He has rejected the western civilization on logical grounds in his poetry. He has introduced a new way of reasoning that can be called as "Reciprocal Reasoning". In his poetry this way of reasoning has been used in many poems but it evolves sometime confusion. This article is a critical appreciation of his way of "Reciprocal Reasoning".

اثر پذیری نے اقبال کی شاعری کو ایسا حسن عطا کیا ہے کہ اس کی شاعری فکری بلندیوں پر حامل ذہن سے لیکر فہم کی کمترین سطح پر واقع فرد کے لیے یکساں طور پر دلربا ہے۔ یہ کشش ہی اس کا وہ فنی کمال ہے جو اسے شاعری کی کائنات میں بلند مقام عطا کرتا ہے۔ اقبال کی شاعری متعدد پہلوؤں سے انفرادیت کی حامل ہے۔ اس کا پہلا منفرد پہلو اس کی شاعری کا موضوع ہے جو من حیث المجموع تو انسان ہے لیکن اگر موضوعاتی تقسیم کی جائے تو سماجیات، فلسفہ، سائنس، علم الاخلاق، تصوف، فلکیات و نجوم، علم المذاہب، مغربی تہذیب وغیرہ یعنی متحرک زندگی کا ہر موضوع اس کی شاعری کا موضوع بن جاتا ہے۔ موضوعاتی یا مقصدی شاعری کا میدان بڑا کٹھن ہے۔ الطاف حسین حالی جب مقصدیت کی طرف آئے تو شعریت گم کر بیٹھے اور صرف مقصد ہی رہ گیا۔ اقبال نے مقصدیت اور شاعری کو بیک وقت اوجِ کمال تک پہنچایا۔(۱) اور یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اقبال کی شہرت خالص شاعرانہ بنیادوں پر ہے اور اس کی شخصیت کا متاثر کن پہلو بھی شاعرانہ ہے نہ کہ سیاسی یا فلسفیانہ۔ ''تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' یا ''علم الاقتصاد'' میں رونما ہونے والے پہلو، اقبال کی شخصیت کے متنازعہ پہلو تو ہو سکتے ہیں لیکن متاثر کن نہیں۔ لیکن اقبال کی شاعرانہ شخصیت پر تمام اہل ذوق کا ''اجماع'' ہے اور یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اقبال شاعری میں ''مجتہدِ مطلق'' کا درجہ رکھتا ہے۔ اقبال کی شہرت میں اس بات کو کوئی دخل نہیں کہ وہ مصورِ پاکستان کی حیثیت سے کوئی سرکاری شخصیت ہے اور اس کے نام پر ادارے قائم ہیں۔ کیونکہ سرکاری شہرت ایسی نہیں ہو سکتی کہ اقبال کو علماء و صوفیاء، محققین و اساتذہ، شعراء اور نقادوں کا مرکزِ نظر بنا دے۔(۲) مزید برآں اقبال پر شائع ہونا والا لٹریچر بھی اس بات کا

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

گواہ ہے کہ اقبال اہلِ علم کا موضوعِ سخن اور مقبول شاعر ہے۔(۳)

اقبال کی شاعری کا دوسرا نمایاں اور منفرد پہلو اس کا نظامِ قوافی ہے جو ایسی غنائیت سے شرابور ہے جس کا تاثر جولانی ہے نہ کہ سکوت وسکون کا۔ اردو شاعری میں اقبال نے جو قوافی متعارف کروائے اور انہیں جس جمالیاتی بانکپن سے نبھایا وہ اسی کا خاصہ ہے۔اس نظامِ قوافی میں فارسی اور عربی شاعری اس طرح رچی ہوئی ہے کہ اس ریشمی بُنت کا ہر دھاگا ایک دوسرے کا حسن بڑھاتا ہے۔اقبال کی غنائیت شعور، لاشعور، تحت الشعور، وجدان حتیٰ کہ حواس تک کو اپنی طوفانی کیفیت میں لپیٹ لیتی ہے۔اس نئی طرز کے نظامِ قوافی کا موجد ہونے کے باعث اقبال کی شاعری پہاڑ کی چوٹی پر جلنے والے چراغ کی طرح ہے کہ جسے جلانے کے لیے بلندی کا طویل اور صبر آزما سفر کرنا پڑتا ہے۔اس لیے اقبال کی شاعری کا دلکش رنگ اس کے بعد کے شعراء میں اس طرح نظر نہیں آتا۔سلیم احمد کا کہنا یہ ہے کہ

''لیکن اقبال کا سلسلہ ءنسب اس طرح منقطع ہوا ہے جیسے اقبال کی آواز ان کے بعد کے شعراء کی سماعت تک ہی نہ پہنچی ہو۔اسد ملتانی اور امین حزیں سیالکوٹی کا نام بھی فضول ہے۔ناصر کاظمی تک اقبال کی طرف سے چل کر میر کی گود میں جا بیٹھے ہیں''(۴)

اس پر ڈاکٹر تحسین فراقی کا نقد بہت جاندار ہے۔وہ لکھتے ہیں

''اس صورت حال سے سلیم احمد نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہم اقبال سے مرعوب خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہمارے تخلیقی وجدان اقبال سے متاثر نہیں ہیں۔بادی النظر میں سلیم احمد کا نکتہ اپنی جگہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے پر اس کی کمزوری ظاہر ہونے لگتی ہے۔اصل میں سچے اور بڑے شاعر کا ہمیشہ یہ اعزاز بھی رہا ہے اور المیہ بھی کہ وہ ناقابلِ تقلید ہوتا ہے۔صاحبِ کمال لاولد رہ جاتا ہے۔اس کی نسل آگے نہیں چلتی۔اقبال خدائے سخن تھا سو جب خدا بول رہا ہو تو بندوں کو از رہِ ادب ہی نہیں از رہِ عجز بھی خاموش رہنا پڑتا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح سودا کا رنگِ سخن فیض کی غزل تک پہنچتا ہے۔یا غالب کا سلسلہ وحشت، فانی اور عزیز مدنی تک پہنچتا ہے اسی طرح اقبال کا رنگِ سخن بھی بعد کے شعراء تک پہنچتا ہے۔اور جس کی گہری چھاپ اسد ملتانی، امین حزیں سیالکوٹی، ماہر القادری اور جگر مراد آبادی کے کلام پر لگی ہے(۵) سلیم احمد امین حزیں اور اسد ملتانی پر اقبال کے رنگِ سخن کو خاطر میں نہیں لاتے۔شاید اس کا سبب یہ ہو کہ اقبال کے مقابلے میں یہ نام بہت چھوٹے ہیں۔یہ بات یقیناً درست ہے لیکن ان کی حیثیت بھی تو اقبال کے مقابلے میں کم وبیش جیسی پست ہے ویسی ہی غالب کے مقابلے میں وحشت یا مدنی کی۔بڑا شاعر شاعروں کی

آنے والی کئی نسلوں کو کھا جاتا ہے۔''(۶)

اقبال کو یہ کمال بھی حاصل ہے کہ اس کی شاعری ردِعمل کی شاعری نہیں، ہنگامی نہیں اور جزوقتی نہیں۔اقبال نے جزوقتی موضوعات کو بھی شاعرانہ کمال سے آفاقی بنا دیا ہے۔ ورنہ اقبال کے ہم عصر مولانا ظفر علی خان اور ان کے علاوہ شعراء جن میں معروف نام شورش کاشمیری کا ہے، اپنے وقت کے معروف اور ہر دل عزیز شاعر تھے لیکن ان کی شاعری ردِعمل اور ہنگامی ہونے کے باعث تاریخ کا حصہ بن گئی۔(۷)

اقبال کی شاعری کے بنیادی اوصاف کا تذکرہ بطور تمہید کرنے کے بعد ہم اقبال کی شاعری میں ایک بنیادی کمزوری کی طرف اشارہ کرنا چاہیں گے۔

اقبال کا تصورِ خودی اس کی شاعری کا مرکزی نکتہ ہے۔اس نکتے کے اثبات کے لیے اقبال کے استدلال کے طریقے متعدد ہیں۔کبھی وہ قرآنی دلائل سے، کبھی کائناتی دلائل سے، کبھی امت مسلمہ کے شاندار ہزار سالہ علمی، فکری اور تہذیبی غلبے سے اور کبھی مختلف اہلِ علم و عمل کو بطور مثالی نمونہ(Role Model) پیش کر کے خودی کا اثبات کرتے ہیں۔لیکن اقبال کی شاعری میں جو بالکل متفرد طریقۂ استدلال پایا جاتا ہے وہ ''استدلالِ معکوس'' ہے۔استدلالِ معکوس کی اصطلاح سے ہماری مراد استدلال کا وہ طریقہ جس میں منفی چیزوں/ شخصیات کی صفات اور کامیابیوں کو پیش کر کے اپنے موقف پر استدلال کیا جائے۔ استدلال کا یہ طریقہ غالباً اقبال کی ہی ایجاد و اختراع ہے۔استدلال کا یہ طریقہ انتہائی کمزور اور فکری انتشار کا باعث بنتا ہے۔اقبال کی فکر کی مجموعی آگاہی نہ ہو تو وہ اشعار جن میں اقبال نے استدلالِ معکوس کا طریقہ برتا ہے، انتہائی گمراہ کن محسوس ہوتے ہیں۔ اقبال کی نظم ''جبریل و ابلیس'' ہے جو مکالمہ کی شکل میں ہے اور جس میں ابلیس، جبریل کے مقابلے میں ہیرو کی حیثیت سے نمایاں ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔اقبال کے استدلال معکوس کا مکمل نمونہ ہے۔اس نظم کا کلائمکس ابلیس کی زبان میں کہا گیا آخری بند ملاحظہ ہو۔

ہے مری جرات سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو　　میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزمِ خیر و شر　　کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا　　میرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے　　قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟
میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح　　تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو(۸)

اگر بات صرف اتنی ہوتی کہ ابلیس جبریل کے مقابلے میں یاوہ گوئی کر رہا ہے تو کوئی اچھنبے کی بات نہ

تھی کہ اس نے تو اللہ جل شانہ کو کہہ دیا ''قال فبما اغویتنی (۹) کہا (میرے رب) جیسا کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا (یعنی اپنے کفر کی ذمہ داری اللہ پر ڈال دی)

مسئلہ اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ اقبال شیطان سے خودی، حمیت اور اظہار مافی الضمیر جیسی اعلیٰ صفات پر استدلال کر رہے ہیں۔ اور دلِ یزداں میں کھٹکنے کو اللہ ھو، اللہ ھو کے مقابلے میں بظاہر ترجیح دیتے نظر آ رہے ہیں۔

سلیم احمد نے اپنے مضمون ''اقبال کا ایک شعری کردار۔ ابلیس'' میں تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اقبال اپنی شخصیت میں ثنویت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیر اصول تنظیم ہے، یہ جبرئیل ہے، جنت کی زندگی ہے، حقیقتِ نوریہ کا ایک نام ہے۔ ان کا شر قوت، حرکت، توانائی ہے۔ یہ شیطان ہے، دنیا کی زندگی ہے، اور حقیقتِ ناریہ کا ایک نام ہے۔ وہ شیطان سے متاثر ہوتے ہیں، اس کی طرف کھنچتے ہیں۔ اس کی ثنا خوانی کرتے ہیں۔ لیکن اپنی حقیقتِ نوریہ کو حقیقتِ ناریہ سے ہم آمیز نہیں کرنا چاہتے اس لیے ان کا شیطان سب کچھ ہو کر بھی شیطان ہی رہتا ہے اور وہ عمل، حرکت اور اضطراب کے تقاضوں کی طرف بے پناہ کشش محسوس کرنے باوجود قوال ہی رہتے ہیں، حال میں نہیں آتے'' (۱۰)

اقبال کی شاعری کا تفصیلی مطالعہ اس تجزیہ سے اختلاف کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ کیا

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب (۱۱)
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے (۱۲)
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طاہا (۱۳)
رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات (۱۴)

جیسے خوبصورت نعتیہ اشعار کہنے والے شاعر کا ہیرو ابلیس ہو سکتا ہے؟ یا اس کے لیے اس میں کوئی

کشش ہوسکتی ہے؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ اقبال کے استدلال کے نظام کو سمجھا جائے اور اس نے جو استدلالِ معکوس کی ایک نئی طرز ایجاد کی ہے اسے سمجھا جائے۔ اقبال استدلال معکوس درج ذیل منطقی ترتیب کی بنیاد پر قائم ہے۔

۱۔ خیر وشر کا معرکہ روزِ ازل سے برپا ہوا ہے اور تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔

۲۔ خیر کے نمائندوں کو حسنِ عمل، قوت، توانائی، غیرت، جفاکشی، بلندی فکر، اصول پرستی، غرض ہر طرح کے اوصاف عالیہ سے متصف ہونا چاہیے۔

۳۔ اگر شر کے نمائندے اپنے نفوذ وقبول کے لیے قوت، توانائی، جفاکشی، یکسوئی، اور فکر وتدبیر کے اوصاف کو کام میں لا سکتے ہیں تو خیر کے نمائندے ان اوصاف سے کیوں محروم ہیں۔

۴۔ شر کا اپنے پھیلاؤ کے لیے ہر طرح کی کوششیں کرنا اور اپنی باتوں کو ملمع کر کے حسین بنا کر پیش کرنا (جیسا کہ شیطان نے جبریل کے سامنے کیا) حیرت انگیز اور خطرناک نہیں بلکہ خیر کے نمائندوں کا اپنے آپ کو خیر کے لیے وقف نہ کرنا باعثِ پریشانی ہے۔

اب مندرجہ بالا منطقی ترتیب کو سامنے رکھتے ہوئے جبریل اور شیطان کے مکالمے کے یہ معنی بنتے ہیں کہ شیطان چرب زبانی سے اپنے آپ کو نمائندہ خیر سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ البتہ یہ بات حقیقت ہے کہ اس نے اپنے جوشِ عمل سے باطل کو ایسا فروغ دیا ہے کہ دنیا کی اکثریت اس کی مطیع بنتی جارہی ہے تو کیا خیر کے نمائندوں کو اعتماد کے ساتھ خیر کے لئے اس سے بڑھ کر ہمت اور محنت کا ثبوت نہیں دینا چاہیے تا کہ باطل کو شکست فاش ہو۔

شارحینِ اقبال نے اقبال کے استدلالی نظام کی طرف توجہ نہیں کی اور شرح کرتے ہوئے ابلیس کو واقعی اقبال کا ہیرو بنا دیا۔

محترم ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نظم ''جبریل وابلیس'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''فرشتوں نے خدا کے فرمان پر تھوڑی سی اختلافی رائے کے بعد ہتھیار پھینک دیے اور آدم کو سجدہ کر دیا مگر میری بغاوت سے انسانی زندگی اور اس کے واقعات میں رنگینی اور دلکشی پیدا ہوئی''

''میری عظمت کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ کے دل میں میری نافرمانی کی چبھن موجود ہے۔ وہ میری حکم عدولی کو اب تک نہیں بھلا سکا اس لیے اس نے مجھے راندہ درگاہ بنا دیا ہے'' (۱۵)

محمد ہادی حسین لکھتے ہیں: گوئٹے تو گوئٹے، صوفی منش بلیک (Blake) بھی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا

تھا۔ وہ ''جنت گم گشتہ'' کے مصنف ملٹن (Milton) کے بارے میں یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ ''جب ملٹن خدا اور فرشتوں کے متعلق لکھتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قلم پا بہ زنجیر ہے، لیکن جب وہ شیطان اور دوزخ کے احوال بیان کرتا ہے تو وہ آزاد دکھائی دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک حقیقی شاعر تھا اور ابلیسی گروہ کا رکن۔'' جس ابلیس کی قاھری کا اعتراف ان نقطہ ہائے خیال میں مضمر ہے وہ وہی ابلیس ہے جو اقبال کے مکالمہ جبریل و ابلیس میں جبریل کے اس سوال کا کہ ''ہمدم دیرینہ کیسا ہے جہان رنگ و بو؟''

جواب یوں دیتا ہے: ''سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو'' (۱۶)

اقبال کی نظمیں ''نپولین کے مزار پر'' اور ''مسولینی'' بھی اقبال کے اسی استدلالِ معکوس کا نمونہ ہیں۔ (۱۷) اس لیے یہ کسی طرح بھی نہیں کہا جا سکتا کہ نپولین یا مسولینی اقبال کے آئیڈیل یا ہیرو ہیں بلکہ وہی طرزِ استدلال ہے کہ اگر شر کے نمائندے ان ان اوصاف کے باعث غلبہ پا سکتے ہیں تو خیر کے نمائندے کیوں نہیں۔ البتہ یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اقبال کی استدلال معکوس کی طرز انتہائی کمزور اور فکری انتشار کا باعث ہے۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) موازنہ کے لیے الطاف حسین حالی اور اقبال کا اشعار ملاحظہ کیجیے کہ کس طرح ایک ہی بات اقبال کے ہاں قلب و روح کو چھو جاتی ہے اور حالی کے ہاں بے اثر رہ جاتی ہے۔ یہاں ہمارا مقصود حالی کے نقائص بیان کرنا نہیں بلکہ اقبال کے کمالِ فن کو واضح کرنا ہے۔

حالی: مسدس حالی میں ''قحط علمائے دین'' کے تحت لکھتے ہیں

وہ علم شریعت کے ماہر کدھر ہیں — وہ اخبار دیں کے مبصر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں — محدث کہاں ہیں مفسر کدھر ہیں

(ج ۔ ۲ ،ص ۔ ۱۰۷)

اقبال: جواب شکوہ میں لکھتے ہیں

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی — برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی — فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے (ص ۔ ۲۰۳)

حالی: جہاں کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک — کہ نقشِ قدم ہیں نمودار اب تک

ملایا میں ہیں ان کے آثار اب تک　　انہیں رو رہا ہے ملیبار اب تک
ہمالہ کو ہیں واقعات ان کے ازبر
نشاں ان کے باقی ہیں جبرالٹر پر
نہیں اس طبق پر کوئی براعظم　　نہ ہوں جس میں انکی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم　　بناؤں سے ہے انکی معمور عالم
سرِ کوہ آدم سے تا کوہِ بیضا
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے ان کا (ج ۔۲، ص ۔۸۰)

اقبال: تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟　　شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟　　کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو
محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے　　مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں دشت میں لیکر تیرا پیغام پھرے　　اور معلوم ہے تجکو کبھی ناکام پھرے؟
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے (ص ۔۱۶۵۔۱۶۶)

محمد اقبال، کلیات اقبال (بانگِ درا)، شیخ غلام علی سنز پبلشرز، ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور، طبع دوم، جنوری ۱۹۷۵ء

حالی، الطاف حسین، کلیاتِ نظم حالی، مرتبہ ڈاکٹر افتخار صدیقی مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول، جنوری ۱۹۷۰ء

(۲) روایتی طبقے کے متعدد اساطینِ علم اقبال کے شیدائی ہیں۔ جن میں مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا سعید اکبر آبادی اور مولانا ابوالحسن ندویؒ شامل ہیں۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: ہاشمی، ڈاکٹر رفیع الدین، تفہیم و تجزیہ (مقالہ: پاکستان میں اقبالیاتی ادب ۱۹۴۷۔۱۹۹۶)، کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۱۱۹۔۱۵۴، ۱۹۹۹ء

(۴) فراقی، ڈاکٹر تحسین، معاصر اردو ادب (نثری مطالعات)، کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۹۸، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۵) جاوید احمد غامدی، مدیر ماہنامہ اشراق، ماڈل ٹاؤن لاہور کی شاعری میں بھی اقبال کا رنگ نمایاں ہے۔ان کی شاعری کی کتاب ''خیال وخامہ'' کے عنوان سے چھپ چکی ہے۔

(۶) فراقی، ڈاکٹر تحسین، معاصر اردو ادب (نثری مطالعات)، کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۹۸۔۹۹، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۷) مولانا ظفر علی خان کا اخبار ''زمیندار'' اور شورش کاشمیری کا رسالہ ''چٹان'' اپنے عہد میں مقبولیت کے عروج پر پہنچے۔دونوں حضرات کی شاعری ان کی جان تھی۔روزمرہ موضوعات، سیاسی مسائل و شخصیات، عوامی ضرورتیں، تاریخ اسلام، اعلیٰ سیاست، سب کچھ شاعری کا موضوع بنتا تھا۔دونوں شاعر بدیہہ گو بھی تھے اور زود گو بھی۔مولانا ظفر علی خان کے مجموعہ ہائے کلام ''نگارستان'' اور ''چمنستان'' اور شورش کی شاعری آج اوراقِ تاریخ میں خوابیدہ ہیں۔جبکہ بانگِ دارا اور ضربِ کلیم اتنی معروف ہیں کہ پرائمری کے طالب علم بھی جانتے ہیں۔حالانکہ ظفر علی خان کا نعتیہ کلام نصابی کتابوں کا حصہ ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر پروفیسر غلام حسین ذوالفقار، مولانا ظفر علی خان حیات، خدمات و آثار، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر زاہد منیر عامر، چلچر اغ، (مقالہ: مولانا ظفر علی خان کا سرمایہء گفتار) کلیہ علوم شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۷ء

(۸) محمد اقبال، کلیات اقبال (بال جبریل)، شیخ غلام علی سنز پبلشرز، ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور، ۔ص ۱۴۴، طبع دوم، جنوری ۱۹۷۵ء

(۹) الاعراف۔۱۶

(۱۰) سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، توسین، ۱۵۔سرکلر روڈ، لاہور، ص ۱۱۲، طبع دوم، ۱۹۸۷ء

(۱۱) کلیات اقبال، (بال جبریل) ص۔۱۱۳

(۱۲) ایضاً، (بانگ درا) ص۔۲۰۷

(۱۳) ایضاً، (بال جبریل) ص۔۲۵

(۱۴) ایضاً، (بانگ درا) ص۔۲۴۹

(۱۵) ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، تفہیم بال جبریل، بزم اقبال، ۲۔کلب روڈ، لاہور، ص۔۳۸۲، نومبر ۲۰۰۲ء

(۱۶) محمد ہادی حسین، شاعری اور تخیل، مجلسِ ترقی ادب لاہور، ص ۲۹، ۳۰، جون ۲۰۰۵ء

(۱۷) کلیات اقبال۔(بال جبریل) ص ۱۴۹۔۱۵۱